سنّت

صدرِ اسلام میں اس کا تصوّر اور ارتقاء

ڈاکٹر احمد حسن ✳ ترجمہ: شاہ محی الحق فاروقی

غیر محتاط اور آزادانہ استعمال میں سنّت اور حدیث کی اصطلاحوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عام طور پر دونوں کا ایک ہی مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ہم "احادیثِ رسولؐ" کا نام دیتے ہیں۔ لیکن ان اصطلاحات کے تحقیقی مطالعہ سے یہ واضح ہو جائے گا کہ ابتدائی ارتقائی منازل میں یہ دونوں اصطلاحات ہم معنی نہیں تھیں۔ سنّت کے ابتدائی اور بنیادی معنی راستہ، پگڈنڈی، رویہ، طریقہ، سلوک، رواج، دستور، عادت، طرزِ عمل اور روشِ زندگی ہیں[1]۔ اس اصطلاح کا اطلاق معیاری طرزِ عمل اور مثالی رواج اور دستور پہ ہوتا ہے خواہ وہ ایک فرد کا ہو یا فرقہ اور جماعت کا۔ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ۔ اللہ تعالیٰ کا وہ طرزِ عمل جو اُمم ماضیہ کے ساتھ رہا قرآن مجید میں سنّت اللہ[2] کے نام سے مذکور ہے اور اقوام سابقہ کی سنّت[3] سے مراد ان اقوام کی عادات اور ان کے طرزِ عمل اور ان کا زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں لفظ سنّت کا استعمال عادت، رواج اور طرزِ عمل کے معنوں میں ملتا ہے۔[4]

مسلمانوں کے لئے "سنّت" کا لفظ کوئی نیا لفظ نہ تھا کیونکہ اسلام سے قبل بھی عرب کے جاہلی ادب میں یہ لفظ عام طور پہ مستعمل تھا۔ عرب اس لفظ کو اپنے سابقہ رواج و رسوم اور اپنے آباء و اجداد کے مثالی طرزِ عمل کے لئے استعمال کرتے تھے اور اس سے مراد اپنا سماجی قانون یا رسم و رواج لیتے تھے۔ چونکہ وہ ان رسوم و رواج کو مثالی اور معیاری سمجھتے تھے لہذا بڑی شدّت سے ان کی پابندی کرتے تھے۔ لبید بن ربیعہ اپنے مشہور معلقہ میں کہتا ہے:-

من معشرٍ سنّت لہم آباؤہم   ولکل قوم سنۃ و امامہا

یعنی — اس کا تعلق اس قبیلہ سے ہے جن کے اسلاف نے ان کے لئے ایک مثالی طرزِ عمل کی طرح ڈال دی۔ ہر قوم کا ایک طرزِ عمل (طریقہ کار) اور اس کا اپنا رہنما ہوا کرتا ہے۔[5]

قدیم رواج کو توڑنا اور مروجہ رسوم و عادات کو مسلسل قائم نہ رکھنا عربوں میں ناپسندیدہ عمل مانا جاتا تھا۔ سنّت اور قدیم طور و طریق کی پابندی نہ کرنے کو وہ بدعت (INNOVATION) خیال کرتے تھے۔ چنانچہ بدعت کا لفظ سنّت کے بالمقابل بولا جاتا تھا[۶]۔ عرب کے ابتدائی اسلامی ادب میں اس کی واضح شہادت موجود ہے۔

سنّت کا لفظ خواہ اجتماعی طرزِ عمل کے لئے استعمال ہو یا انفرادی روش کے لئے اس میں ایک معیاری و مثالی عنصر پایا جاتا ہے اور اس کے معنی میں یہی مفہوم وہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے جو اس لفظ کے دیگر مترادف الفاظ سے اسے ممتاز کرتا ہے۔ اس بیان کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ عباسی خلیفہ کو ان سنّتوں کے احیاء کی ہدایت کرتے ہیں جو خلفاء راشدین نے قائم کی تھیں کیونکہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق سنّتوں کا احیاء ایک لازوال نیکی ہے[۷]۔ ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ بصرہ اور خراسان کی مفتوحہ زمینوں کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ یہ زمینیں عراق کی دوسری زمینوں کی طرح ہیں اس لئے ان پر انہیں اصولوں کا اطلاق ہونا چاہیئے جو سوادِ عراق کے معاملہ میں طے ہو چکے ہیں۔ پھر وہ لکھتے ہیں "لیکن چونکہ ان (بصرہ اور خراسان کے) علاقوں پر پہلے سے ایک مخصوص سنّت (قانون) جاری ہے اور یکے بعد دیگرے آنے والے خلفاء نے بھی اس سنّت کو بحال رکھا ہے لہٰذا ان علاقوں کو سابقہ حالت پر چھوڑ دیا جائے اور مروجہ دستور کو نافذ رہنے دیا جائے[۸]"۔ ان دونوں مثالوں میں لفظ سنّت معیاری دستور و رواج کے لئے استعمال ہوا ہے۔

یہاں تک ہم نے سنّت کے لغوی مفہوم سے بحث کی ہے لیکن جب یہ اصطلاح اسلامی اصول و قوانین میں استعمال ہو تو اس سے مراد وہ معیاری طرزِ عمل اور مثالی طریقِ کار ہوتا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نمونہ مقرر کیا ہو اور جو آپؐ کی زندگی میں بلا شرکتِ غیرے آپؐ کے طرزِ عمل کے ساتھ مخصوص تھا۔ بعد کی نسلوں میں یہ لفظ ابتدائی دور کے مسلمانوں کے اس تعامل کے لئے بولا جانے لگا جو سنّت رسول اللہؐ کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ امام شافعیؒ کے دور کے بعد علماءِ حدیث کی اصطلاح میں حدیث و سنّت بلا تفریق ایک ہی مفہوم کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہونے لگے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ حدیث اور سنّت جداگانہ معانی پر مشتمل دو مختلف اصطلاحیں ہیں۔ حدیث تو رسول اللہؐ کے کسی ارشاد، عمل یا مسلک کے بیان یا روایت کا نام ہے جب کہ سنّت وہ قانون ہے جو اس روایت سے

مستنبط ہوا ہو۔ بالفاظ دیگر حدیث گویا سنّت کی ماخذ اور اس کی حامل ہے۔ سنّت حدیث میں شامل ہے اسی لئے بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں حدیث پانچ سنّتوں پر مشتمل ہے[9] یا حضرت بریرہؓ کے واقعہ میں تین سنتیں ہیں[10] مزید برآں یہ بھی ضروری نہیں کہ سنّت کا استنباط یا علم ہمیشہ حدیث یعنی روایت سے ہو۔ صدر اسلام کے فقہی ادب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سنّت کی اصطلاح مسلمانوں میں مروجہ اس طریق کار (تعامل) کے لئے استعمال ہوتی تھی جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا تھا کہ وہ مسلسل رسول اللہؐ کے وقت سے چلا آرہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنّت کبھی تو حدیث سے مختلف ہوتی ہے اور کبھی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ ذیل کا مقولہ ان دونوں اصطلاحوں کے درمیان فرق پر روشنی ڈالتا ہے۔ روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) نے کہا: "سفیان ثوریؒ حدیث کے امام ہیں سنّت کے امام نہیں جب کہ اوزاعیؒ سنّت کے امام ہیں حدیث کے نہیں لیکن مالکؒ دونوں کے امام ہیں۔ ابو یوسفؒ کو بھی ان کے سوانح نگاروں نے صاحبِ حدیث اور صاحبِ سنّت کہا ہے[11] اسی طرح ابو یوسفؒ اس حدیث کی پیروی پر زور دیتے ہیں جو قرآن و سنت کے مطابق ہو[12] یہ تمام مثالیں واضح طور پر حدیث اور سنّت کے معنی ظاہر کرتی ہیں الغرض سنّت اور حدیث کے ابتدائی معنوں میں فرق یہ ہے کہ سنّت کے دائرہ میں معروف روایات، تعامل اُمت اور مسلمانوں کے مسلّمہ رواج شامل تھے اس کے برعکس حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نافذ کئے ہوئے مقررہ اور حتمی قوانین کے صرف ایک بیان کی حیثیت رکھتی تھی لیکن امام شافعیؒ نے سنّت کے مروجہ معنی کی شدت سے مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ سنّت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند احادیث سے اخذ کیا جائے انھوں نے مسلمانوں کے مسلّمہ اور متفق علیہ رواج (تعامل) پر حضورؐ کی صحیح حدیث کو ترجیح دی اس وقت سے سنّت اور حدیث کی اصطلاحیں ایک ہی مفہوم میں استعمال ہونے لگیں[13]

ابتدائی دَور کے فقہی ادب سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث کا لفظ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال ہی کے لئے استعمال نہیں ہوتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے پہلے یہ لفظ صحابہ اور تابعین آثار کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ سوار اور گھوڑے کے درمیان مالِ غنیمت کے بٹوارہ کے مسئلہ میں شام کے گورنر کے فیصلہ کو جسے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ نے منظور فرمایا تھا ابو یوسفؒ حدیث کہتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متفقہ حدیث پر ترجیح دیتے ہیں[14] معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کو محض نبی اکرمؐ کے اقوال و افعال کے لئے اس وقت مختص کیا گیا جب سنّت اور حدیث کے درمیان فرق کو مٹا دیا گیا۔

ئیے اب ہم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تصور پر گفتگو کریں۔ مغربی مصنفین نے یہ ثابت کرنے
ش کی ہے کہ اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دراصل عرب قبل از اسلام کی اس سنت
انام تھا جس میں قرآن پاک نے کچھ ترمیم کردی تھی مزید براں ان میں سے بعض کے خیال کے
، "سنتِ نبوی" کا تصور بعد کی پیداوار ہے کیونکہ ابتدائی دَور کے مسلمانوں کے نزدیک سنت کا
، صرف مسلمانوں کا اپنا رواج اور تعامل تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اسلام میں "سنتِ نبوی"
ر بعثتِ نبوی کے ساتھ آیا۔ قرآن حکیم بار بار مسلمانوں پر اطاعتِ رسولؐ کو فرض قرار دیتا ہے
پؐ کے طریقۂ عمل کو مثالی قرار دیتا ہے۔ لہذا ابتداء ہی سے مسلمانوں نے قرآن پاک کی تعلیمات کی
بی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اپنے لئے نمونہ قرار دیا۔ وہ سنت کو کوئی ایسا رواج اور طرزِ عمل
سمجھتے تھے جو اسلام سے پہلے ہی عرب قبیلوں میں رائج رہا ہو۔ قرآن پاک نے رسولِ اکرم صلی اللہ
سلم کے مثالی طرزِ عمل کے لئے "اُسوہ" [15] کا لفظ استعمال کیا ہے لہذا تصور کے لحاظ سے اس کا
قبیلوں کی سنت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ دورِ جاہلیت کے بہت سے طریقے
، عہد میں باقی رہ گئے ان میں سے بعض میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزئی ترمیم فرمائی، اور بعض
ے نے کلی طور پر نئے طریقوں سے تبدیل کردیا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مجموعی لحاظ سے ان تمام
وں کو نبی اکرمؐ کی منظوری حاصل تھی لہذا ان کی صرف جاہلی دور کے مروجہ طریقوں والی حیثیت ختم ہوگئی۔
مزید براں اگرچہ معاشرہ کے افعال قرآن کے تابع تھے تاہم یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات
تھی جس نے قرآنی احکام کو ایک مخصوص شکل میں عملی وجود بخشا۔ پس جس طریقہ سے آپؐ نے قرآن پر
یا وہ معاشرہ کا قانون بن گیا لہذا یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاؓ
سول اللہؐ کے فعل کو جن کے ذریعہ انھیں قرآن پاک ملا تھا نظرانداز کردیا پھر قرآن اور سنتِ
باہم اس قدر مربوط ہیں کہ انھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان دونوں کو ایک
بلِ تقسیم وحدت" (INTEGRAL WHOLE) کہہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ
وسلم کی حیثیت صرف یہ نہیں تھی کہ وہ کسی جامد ذریعہ یا گراموفون کے ریکارڈ کی طرح محض پیغامِ الٰہی
ہچا دیں لہذا منطقی اعتبار سے "سنتِ رسولؐ" کا تصور ابتدائے اسلام ہی سے رہا ہوگا۔
مستشرقین کے نزدیک اس تصور کے مسترد کرنے کا ایک سبب ابتدائی دَور کے اسلامی ادب میں

"سنتِ رسولؐ" کی اصطلاح کا بہت کم استعمال ہے۔ پروفیسر شخت کو ابنِ ہشام (متوفی ۲۱۸ھ) کی سیرۃ النبیؐ میں یہ اصطلاح صرف ایک جگہ نظر آئی۔ اس کے متعلق بھی وہ کہتے ہیں کہ یہ اصطلاح اس مقام پر ایک مختلف مفہوم میں استعمال ہوئی ہے[16]۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ پروفیسر شخت حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اس خطبہ میں واضح طور پر ابنِ ہشام نے "کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ" کا ذکر کیا ہے[17]۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کچھ صحابہ مختلف مقامات پر لوگوں کو دین اور سنتِ رسولؐ کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا[18]۔ عبدالملک بن مروان (متوفی ۸۶ھ) کے نام حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) کے مکتوب میں "سنتِ رسولؐ" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں[19]۔ یہ اصطلاح امام شافعیؒ سے پہلے ابتدائی دَور کے فقہی ادب میں بھی استعمال ہوئی ہے[20]۔ لیکن اس وقت اس اصطلاح کے استعمال کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ اس اصطلاح کا موجودہ مفہوم بھی اس وقت وجود تھا۔ ہم اپنے استدلال کی بنیاد اس بات پر رکھتے ہیں کہ نزولِ وحی کی ابتدا ہی سے مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو اپنے لئے نمونہ اور مثال بنایا تھا۔ یہ بات اس دعوے کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ سنتِ نبوی کا تصوّر بعثت کے ساتھ ہی وجود میں آیا۔

پروفیسر شخت نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شروع میں "سنت" کی اصطلاح اپنے اسلامی سیاق و سباق میں فقہی سے زیادہ سیاسی مفہوم میں مستعمل تھی۔ اور اس کا اطلاق خلفاء کے انصرامِ مملکت اور حکمتِ عملی سے ہوتا تھا۔ وہ اس کا آغاز ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سنّت سے کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سنتِ رسولؐ کا تصوّر ان واقعات سے پیدا ہوا جو خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی شہادت پر منتج ہوئے نہیں اس الزام کی بنا پر شہید کیا گیا کہ وہ اپنے پیش روؤں کے طرزِ عمل (سنّت) سے ہٹ گئے تھے۔ پروفیسر شخت کے بیان کے مطابق "سنّت رسولؐ" کی اصطلاح سب سے پہلے خارجی رہنما عبداللہ بن ا[illegible] نے (خلیفہ) عبدالملک کے نام اپنے مکتوب میں استعمال کی تھی۔ ان کا خیال ہے کہ مذہبی مفہوم [illegible] بھی یہ اصطلاح سب سے پہلے انھیں خلیفہ کے نام حسن بصریؒ کے مکتوب میں استعمال ہوئی تھی۔ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلامی قانون میں اس اصطلاح کا ابتدائی استعمال پہلی صدی ہجری کے اواخر میں [illegible] نے کیا تھا[21] [illegible] شخت اپنے دعویٰ کی بنیاد محض ظن و تخمین پر رکھتے ہیں اور اس [illegible] میں وہ [illegible] کو [illegible] نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مزید برآں یہ ثابت کرنے کے لئے

ادت درکار ہے کہ اس اصطلاح کا مفہوم سیاسی تھا اور اس کا تعلق شہادت حضرت عثمانؓ سے تھا۔
ے عام طور پر مسلمانوں کو زندگی کے ہر میدان میں رسول اللہؐ کے عمل کی تقلید کا حکم دیتا ہے۔
لکؒ کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھوں نے یہ اصطلاح
ہوم میں استعمال کی تھی۔[۲۲] اس روایت کو مشکوک سمجھنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ مزید برآں
عقلاً مستبعد ہے کہ مسلمانوں نے پوری ایک صدی تک اپنے قانونی معاملات میں رسول اللہؐ کے
نظر انداز کر دیا ہو۔

ہاں تک سنت کے ابتدائی نشو و نما کا تعلق ہے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سنت کے مفہوم میں ابتداء
ے امام شافعیؒ کے زمانہ تک ارتقاء پایا جاتا ہے۔ ابتدائی دور کی تصنیفات یہ ظاہر کرتی ہیں
فقہی مدارس کے نزدیک سنت امت کے اس عمل کا نام تھا جس کو رسول اللہؐ کی مشہور و معروف
۔ آپ کے عمل یا آپ کے صحابہؓ اور تابعین کی روایات و عمل کی تائید حاصل ہو۔ اس کے برعکس امام
ہر مستند حدیث کو اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو رسولؐ کی سنت تسلیم کرتے تھے خواہ اس پر امت
رہا ہو یا نہ رہا ہو لہذا قدیم فقہی مدارس اور امام شافعیؒ کے مابین اختلاف کا مرکز ایسی آحاد
ث تھیں جن پر امت کا عمل نہیں تھا۔ اسی سے پروفیسر شخت نے یہ نتیجہ نکالا کہ (۱) ابتداء میں
امت کے عمل کا نام تھا، سنتِ رسولؐ کے لئے سنت کا لفظ بعد میں استعمال ہوا اور (۲) یہ کہ
بعد میں سنت کا لفظ سنتِ رسولؐ کے لئے استعمال ہونے لگا تو بے شمار احادیث وضع کی گئیں
ـ کہ اب شاید ہی کوئی ایسی حدیث ہو جسے صحیح کہا جا سکے یعنی اس کا تعلق براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ
لم سے قائم کیا جا سکے۔ یہ دعویٰ پورے مجموعہ حدیث کو خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو رد کر دینے پر منتج ہوتا
ہے۔ ہمارے خیال میں رسول اللہؐ کی وفات کے بعد حدیث پر عمل اور اس کی نشر و اشاعت کا کام
ی ساتھ ہوا۔ صدر اسلام میں تعامل کو معیار سمجھا جاتا رہا۔ اس وقت مسلمانوں کا طرزِ عمل نبی کریم
للہ علیہ وسلم کے عمل کے عین مطابق تھا۔ اس لئے اس وقت کے تعامل کو کسی قانونی سند کی تائید کی
ت نہیں تھی۔ کیونکہ آپ کے عمل سے مشابہ ہونے کی وجہ سے یہ تعامل امت خود اپنی جگہ معیار
سند تھا۔[۲۴] لیکن مرورِ ایام کے ساتھ مثالی سنت سے جب اس تعامل کی موافقت کم ہوتی گئی تو
صحت کو جانچنے کے لئے حدیث کی تائید کی ضرورت پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم فقہی مدارس نے

امل امت پر امام شافعیؒ سے زیادہ زور دیا خود امام شافعیؒ سے پہلے کے فقہاء کے یہاں یہ بات ملتی ہے ان میں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جتنا زیادہ قریب تھا اتنا ہی زیادہ وہ تعامل پر زور دیتا ا۔ اگرچہ بعد کے فقہاء کبھی کبھار عمل کا ذکر کر دیتے ہیں لیکن وہ بیشتر اس عمل کی تائید میں حدیث پیش کرتے ں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام اوزاعیؒ اور امام مالکؒ کے مقابلہ میں حدیث پر زیادہ ور دیتے ہیں۔ حدیث کے معاملہ میں غیر محتاط وہ بھی نہیں جو عمل پر زور دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حدیث و سنت ایک دوسرے کے متوازی ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم ارتقاء سنت کے ختلف مراحل پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

عہد نبویؐ میں آپؐ کے طرزِ عمل یا آپؐ کی منشاء کے موافق عمل کا نام سنت کی پیروی تھا۔ صحابہ کرامؓ پنی زندگیوں کو قرآن کے مطابق اس طرح ڈھالتے تھے جس طرح اس کی تشریح و تمثیل رسول اللہؐ کے اُسوہ سے ہوتی تھی۔ اپنے اعمال کی صحت کی تائید کے لئے انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے نمونہ کے علاوہ اور کسی علیحدہ قانون کی ضرورت نہ تھی۔ آپؐ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن مجید تھا، اسوۂ رسولؐ تھا اور پھر ان کے وہ اپنے اعمال تھے جو وہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ صحابہؓ عرب کے باہر مختلف شہروں میں آباد ہو گئے ان کی حیثیت صرف سنتِ رسولؐ کے خبر رساں نہ تھی بلکہ وہ اس سنت کے شارح و مفسر بھی تھے۔ اس چیز نے سنت کے دائرہ کو وسیع کر دیا۔ اسوۂ نبیؐ اور سیرۃ نبوی کے نمائندے کی حیثیت سے صحابہؓ کے اعمال و آراء آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ اور حجت بن گئیں۔ ہمیں یہ روایت ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار اپنے ایک گورنر کو سو دُرّوں کی سزا دی تو حضرت عمرو بن العاصؓ ان کے پاس آئے اور کہا" اگر آپؓ اپنے گورنروں کے لئے ایسی سزائیں تجویز کریں گے تو یہ ان کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی اور بعد میں یہ سنت بن جائے گی۔"[25] اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کے افعال کو بھی سنت سمجھا جاتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو طریقہ شروع ہوا [illegible] وہ طریقہ خلفائے راشدینؓ کے عہد تک جاری رہا۔ انھوں نے مسلسل روایات کو محفوظ رکھنے اور حشو و زوائد کے ملونات کو روکنے کی کوشش [illegible] آپ کے طرز عمل کے متعلق خود دریافت کیا [illegible]

یث تعامل اُمت اور اس عام دستور کے موافق ہوتی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے
-آپؐ کی سنت معلوم کرنے کے لئے لوگوں کے پاس دو ذرائع تھے یعنی (۱) وہ تعامل اُمت جو
اُ غیر مخلوط اور متواتر تھا اور (۲) روایت۔ لیکن اس بات کا خطرہ تھا کہ کچھ ایسی روایات بھی سامنے
ںفقہ عمل سے مطابقت نہ رکھتی ہوں لہذا خلفائے راشدین نے ایسی احتیاطی کارروائیاں کیں کہ کم از کم
ات میں آپؐ کا طرزِ عمل (سنت) اپنی اصلی صورت میں برقرار ہے۔ اگر کوئی صحابی ایسی خبر دیتے جو
کے مطابق نہ ہوتی تو اس کی تحقیق بڑی شدت سے کی جاتی۔ اس قسم کی مثالیں بے شمار ہیں جو ظاہر
ابتدائی دَور کے خلفاء کسی خبر آحاد کو قبول کرنے میں بڑے محتاط تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ایت ہے کہ انھوں نے ایک حدیث کی تصدیق ایک دوسرے صحابی سے کروائی[۲۶] حضرت عمر بن خطاب
الیٰ عنہ اس معاملہ میں اپنے پیش رو سے بھی زیادہ محتاط تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
دو افراد کی شہادتوں پر قبول کرتے تھے۔ اسی طرح چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
جاتا ہے کہ وہ خبر الواحد کو اسی وقت قبول کرتے تھے جب اس کی تصدیق بذریعہ حلف کی جاتی[۲۷]
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بارہا انھوں نے حج یا دوسرے اجتماعات کے موقع[۲۸]
ملی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کو صحابہؓ سے دریافت کیا۔ کسی معاملہ میں اگر انھیں خبر آحاد ملتی تو وہ
علان کے ذریعہ لوگوں کو بتاتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وہ نہیں جو لوگوں کے درمیان
بلکہ اس طرح ہے[۲۹]۔ اس طریقہ نے سنت کو خارجی عناصر کی آمیزش سے محفوظ رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ
ائے راشدین کے زمانہ میں وہ افراتفری نہیں ملتی جو بعد کے عہد میں نظر آتی ہے جبکہ احادیث کی
بڑی آزادی کے ساتھ کی جانے لگی۔ اس میں شک نہیں کہ شروع میں بھی اختلافات ہوئے کیونکہ
ے ختم نہیں کی جاسکتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ قانون کے معاملہ میں اختلاف رائے ختم کرنے کے لئے
ی پر زور دیا جانے لگا لیکن اس سے اختلافات ختم نہیں ہوئے کیونکہ خود حدیث میں اختلافات
ئے۔ بہر حال اسلام کے ابتدائی عہد میں معاشرہ کا نظم قرآن مجید اور اس تعامل اُمت پر تھا جو آپؐ
سے چلا آرہا تھا۔ سنت کا یہ دَور اپنے تواتر اور نسبتاً زیادہ غیر مخلوط ہونے کے لئے ممتاز ہے۔
ت کی صحت کی بنا پر سنت کی صحت کے لئے حدیث یا روایت سے تائید کی ضرورت نہیں تھی۔ اس
راشدین کے دَور تک ہمیں روایات کی بھرمار نہیں ملتی۔

خلفائے راشدین کے بعد ریاستی معاملات کی نوعیت ایک خالص اور متواتر روایت سے علیحدہ ہوتی گئی خود معاشرہ میں بھی مسلمانوں کے درمیان بدعتیں اُبھرنے لگیں۔ ہر فرقہ اپنے عقیدہ کو اسلامی تعلیمات کا ایک اہم جزو منوانے اور اسے کسی سند سے ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس وقت تک وہ پابندی بھی ختم ہو چکی تھی جو حدیث کی آزادانہ اشاعت پر لگی ہوئی تھی۔ نتیجۃً لوگوں نے کثرت سے حدیث کی روایت شروع کر دی اور روایت حدیث کی تحریک تیزی کے ساتھ بڑھتی گئی۔ اسلام میں بدعت اور فتنہ نے اپنا سر اٹھایا۔ خلفائے بنو امیہ کو بالعموم مثالی رواج اور تعامل اُمت کو غیر مخلوط رکھنے یا اس کے تواتر کو قائم رکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سارا قانونی نظام ایک ذاتی معاملہ بن گیا اور مفتیوں نے اپنی ذاتی حیثیت سے اپنے کام کو جاری رکھا۔ اُمویوں کے مقرر کئے ہوئے قضاۃ اور ارکانِ عدلیہ کم و بیش انھیں کی نگرانی میں کام کرتے تھے لہٰذا اس بات کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ ان کے فیصلے معروضی یعنی واقعیت پر مبنی نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد تعامل اپنی مثالی صورت میں باقی نہ رہ سکا اور اب لوگوں نے حدیث کو اساسی حیثیت دے دی۔ اور سنّت کو حدیث سے ثابت کرنے لگے۔ ان حالات میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ابوبکر بن عمرو بن حزمؒ کو حدیث اور سنّتِ رسولؐ اور خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی سنّت جمع کرنے کا حکم دیا[۲۱]۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا مسلمانوں کے تعامل کو جب تک وہ کسی حدیث سے ثابت نہ ہو سنّتِ رسولؐ سمجھنے کا رجحان ختم ہوتا گیا اس پس منظر میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ حدیث میں اسناد کو اہمیت اس وقت حاصل ہوئی جب تعامل پر سے اعتماد اُٹھ گیا اور معاشرہ اخلاقی طور پر انحطاط پذیر ہو گیا۔ اگرچہ حدیث کی آزادانہ روایت کثیر تعداد میں احادیث وضع کرنے پر منتج ہوئی لیکن یہ واضعین قانونی دائرہ میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ قانونی فیصلوں کا اکثر حصہ تعامل بن چکا تھا اور لوگوں میں عام طور سے معروف تھا۔ جہاں کہیں اختلافات پیدا بھی ہوئے وہ [illegible] لوگوں میں پھیلی ہوئی باہم متصادم احادیث کی بنا پر تھے۔ یہ اختلافات اتنے بنیادی اور اہم نہ تھے کہ [illegible] پر اثر انداز ہو سکتے۔ قانونی دائرہ کے محفوظ رہنے کا ثبوت اس حقیقت سے بھی مل سکتا ہے کہ [illegible] قانونی معاملات [illegible] شیعوں کا اپنا مجموعہ احادیث ہے لیکن وہ بہت کم [illegible] پر اہل سنّت سے [illegible]

[illegible] کی بنیاد [illegible] مرتب ہونے والے قانونی وصایا سے زیادہ عملی [illegible]

بہ کرامؓ اپنے فطری اور روزمرہ کے انداز میں معاشرتی، مذہبی اور سیاسی معاملات میں حصہ لیتے ی واحد ممتاز خصوصیت یہ تھی کہ ان کے عمل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ سمجھ کر لوگ ع کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی زندگی کے عملی پہلو کا دور رس اثر تابعین کی دوسری نسل پر پڑا [illegible] معاملات میں جب انہوں (صحابہؓ) نے خود اجتہاد کیا تو لوگوں نے اسے مستند مان لیا اور [illegible] امت گیا۔ درحقیقت یہ صحابہ کی سنت [illegible] سنت الصحابہ تھی۔ امت نے صحابہ کے اجتہاد کو سنت کیوں جہ بڑی واضح ہے۔ لوگوں کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ اسلام کے سچے پیرو ہونے کی وجہ [illegible] او خلفاء اربعہ بالخصوص سنت رسول سے روگردانی نہیں کر سکتے تھے۔ [illegible] معاملات کی ایک طویل بد ہے جن میں [illegible] حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی رائے قائم کی اور ترقی پذیر انسانی یہ بات بڑی فطری تھی لہٰذا [illegible] کے اجتہاد کے ساتھ ذاتی رائے کا عنصر بھی سنت میں داخل یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مستند [illegible] کے مقابلہ میں جو لوم ہوئی اسے صحابہ بدعت سمجھتے تھے۔ نماز تراویحؓ کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کا مشہور ہ ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سنت ے مستخرج ہونے والی سنت کے باریک فرق کے معاملہ [illegible] بڑے محتاط تھے۔ نماز تراویح کی عت جو رمضان میں جماعت سے ادا کی جاتی تھی آخر [illegible] سنت میں داخل ہو گئی اور تمام عالم آج تک اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی [illegible] کہ اکثر معاملات میں صحابہ کی سنت ان ر مبنی تھی لیکن یہ بھی ابتدائی دور میں سنت کی [illegible] ہوئی تھی اس بات سے ی ہجری کے فقہاء کے ما بین یہ اختلاف نمودار ہوا [illegible] سمجھنا چاہئے یا [illegible] ی وجہ ہے کہ بعض معاملات میں، جیسا کہ ہم آ[illegible] ان کریں کے ابتدائی [illegible] ر کو حدیث آحاد پر ترجیح دیتے تھے۔ [illegible] کے درمیان متوازی انداز تعامل اور روایت تھے۔

[illegible] سنت [illegible]

وسیع ہو گیا [illegible]

ادو کے فقہاء کی بہت سی تحریروں میں سنت [illegible] کی جھلک نظر آتی ہے —

امام محمد بن الحسن، مدعی کے حلف کے ساتھ ایک شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دینے کے طریقہ کو حضرت معاویہؓ یا عبدالملکؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں[۳۴]۔ مگر امام مالکؒ اس طریقہ کو سنت کہتے ہیں[۳۵]۔ ابن المقفع (متوفی تقریباً ۱۴۰ھ) کہتے ہیں کہ سنت کی سند پر قتل کی سزا دی گئی لیکن جب اس سنت کی گہری تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ عبدالملک یا کسی اور حاکم کا عمل تھا، جس کو سنّت کہا جا رہا تھا[۳۶]۔ امام ابو یوسف، امام اوزاعی اور دوسرے حجازی فقہاء پر مضت السنۃ (ماضی میں سنّت اسی طرح تھی) کی اصطلاح کے کثرت استعمال کا الزام لگاتے ہیں۔ ابو یوسفؒ کے بیان کے مطابق جس سنّت کا یہ لوگ حوالہ دیتے ہیں ممکن ہے وہ بازار کے کسی انسپکٹر یا کسی ضلعی گورنر کا فیصلہ ہو[۳۷]۔ امام شافعیؒ جب مدینہ سے عراق گئے تو انھیں سنتِ نبویؐ اور اس کے ارتقاء مابعد کے نازک فرق کا علم ہو گیا۔ لہٰذا اُنھوں نے تعامل کے سند ہونے پر بڑے شدید حملے کئے اور اسے مستند سنّت تسلیم نہیں کیا۔ ہمارے خیال میں اسی دور میں خلفاء راشدین اور بے دین خلفاء کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لئے ائمۃ الہدیٰ[۳۸] جیسی اصطلاحیں وجود میں آئیں۔

قانون میں انفرادی اور آزادانہ غور و فکر میں اضافہ کی بنا پر مختلف علاقوں میں فقہاء کی ذاتی آراء بھی سنّت کا حصہ بن گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابو یوسف فقہاء کی آراء کو قانون کا ایک مستند ماخذ سمجھتے ہیں[۳۹]۔ ہم ابتدائی دور کے فقہاء کو بار بار یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں "یہ عمل پہلے سے چلا آ رہا ہے (مضت السنۃ) یا ہم نے اپنے فقہاء کو اس طرح کہتے ہوئے سنا[۴۰]۔ در اصل ان اقوال کا تعلق مقامی فقہاء کے اس اجماع سے ہے جسے قانون کے ایک مستند ماخذ کے طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ سنت اور مقامی اجماع [illegible] ایک [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حواشی و حوالہ جات

حسان بن ثابتؓ کہتے ہیں ؎

ان الذوائب من فہر واخوتہم قد بینوا ... سنتہ

سجیۃ تلک منہم غیر محدثۃ ان الخلائق فاعلم شرھا البدع

لاحظہ ہو دیوان حسان بن ثابت، تحقیق عبدالرحمٰن البرقوقی، قاہرہ ۱۹۲۹ء، صہ ۲۴۶

ابو یوسف، کتاب الخراج، قاہرہ ۱۳۰۲ھ صہ ۳ واحیاء السنن التی سنہا "قوم" ...

... فان احیاء السنن من الخیر الذی یحیا ولا یموت۔

ایضاً صہ ۳۳۔ ... (۹)۔ ابوداؤد، سنن، کان پور ۱۹۲۸ء، جلد دوم صہ ...

قال ابوداؤد سمعت احمد بن حنبل ... فی ھذا الی شئ ...

حضرت عائشہ کا ایک بیان یوں ہے: "کان فی بریرۃ ثلاث سنن" ... مالک ... قاہرہ ... جلد دوم ...

ابونعیم الاصفہانی، حلیۃ الاولیاء، قاہرہ ۱۹۳۶ء، جلد ... ۲۰۔

ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، قاہرہ ... ۳ ... امام ... اور امام زہری کے متعلق

... ہیں ... باخبر تھے" اعلم بسنۃ ماضیۃ۔ ابن سعد، الطبقات

الکبریٰ، ... ۱۳ھ جلد دوم صہ ۳۶۹، جلد ششم صہ ۲۵۴۔

یہ ... معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی پہلے فقیہ نہیں تھے جنہوں نے سنت اور حدیث میں ... کیا بلکہ ماضی

میں بھی کچھ ایسے لوگ تھے مثلاً صالح بن کیسان (متوفی ۱۴۰ھ) جن کی یہی رائے تھی۔ ابن سعد، الطبقات

الکبریٰ، محولہ بالا، جلد دوم صہ ۲۸۸ ومابعد۔

ابو یوسف، کتاب محولہ بالا، صہ ۱۱۔ عمرؓ بن الخطاب کے ایک اثر کے بارے میں مالکؒ کہتے ہیں: لیس ھذا

الحدیث بالمجتمع علیہ ولیس علیہ العمل۔ ملاحظہ ہو مالک، کتاب محولہ بالا، جلد دوم صہ ۲۴۹۔

عمر بن عبدالعزیزؒ، عمر فاروقؓ کے فیصلوں کو عمرؓ کی حدیث کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو موطا محمد بن الحسن، دیوبند،

تاریخ طباعت درج نہیں، صہ ۲۹۱۔ امام محمد، مکحولؒ (تابعی) کے اقوال کو حدیث کہتے ہیں۔ امام محمد،

السیر الکبیر مع شرح السرخسی، حیدرآباد دکن ۱۳۳۵ھ جلد دوم صہ ۲۶۹

قرآن مجید۔ ۳۳: ۲۱۔

... مبادی فقہ اسلامی (THE ORIGINS OF MUHAMMADAN JURISPRUDENCE)۔

آکسفورڈ، ۱۹۵۰ء صہ ۳۴۹ (ضمیمہ) نیز ملاحظہ ہو ابن ہشام، سیرۃ النبیؐ، قاہرہ تاریخ طباعت درج نہیں (تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید) جلد ششم صہ ۲۲۷ -

۱۷ - ابن ہشام۔ کتاب محولہ بالا، جلد چہارم صہ ۲۷۶ -

۱۸ - ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۸ اور ۶۶ -

۱۹ - ابن المرتضیٰ، احمد بن یحییٰ، کتاب طبقات المعتزلہ، بیروت، ۱۹۶۱ء صہ ۱۹ - وقد ادرکنا السلف الذین تاموا الامر اللہ واستنوا بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نیز ملاحظہ ہو:

DER ISLAM - جلد ۲۱ - ص ۶۸ -

۲۰ - مالکؒ۔ کتاب محولہ بالا، جلد دوم صفحات ۸۲۳، ۸۹۹ اور ۸۹۲ - ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی محولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۵، ۷، ۷۶ اور ۱۲۱ - ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن صفحات ۸، ۳۰ اور ۶۶ - محمد بن الحسن، الموطا، صفحات ۲۱۷ اور ۲۱ -

۲۱ - شخت، اسلامی فقہ کا ایک تعارف (AN INTRODUCTION TO ISLAMIC LAW) آکسفورڈ، ۱۹۶۴ء صہ ۱۸ - ۱۷ -

۲۲ - مالک۔ کتاب محولہ بالا، جلد دوم، صہ ۵۱۳ -

۲۳ - شخت، مبادی فقہ اسلامی (THE ORIGINS OF MUHAMMADAN JURISPRUDENCE) محولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۴، ۵، ۲۰، ۲۰، ۴۰، ۶۱، ۶۳، ۷۶، ۸۰ -

مزید ملاحظہ ہو: انھیں کا مضمون بعنوان "مشرق وسطیٰ میں اصول قانون کا قبل از اسلام پس منظر اور ابتدائی نشوونما" (PRE-ISLAMIC BACKGROUND AND EARLY DEVELOPMENT OF JURISPRUDENCE IN LAW IN THE MIDDLE EAST) (ترتیب مجید خدوری)، واشنگٹن، ۱۹۵۲ء، جلد اوّل (اصل مضمون کے متن میں یہ نمبر درج ہونے سے رہ گیا) -

۲۴ - مزید۔ ایس۔ ایم۔ یوسف، مضمون بعنوان "سنّت۔ اس کی روایت، نشوونما اور نظرثانی (انگریزی) اسلامک کلچر، جلد ۳۷ شمارہ ۴ - اکتوبر ۱۹۶۳ء صفحات ۲۷۶ اور ۲۷۹ -

۲۵ - ابو یوسف۔ کتاب الخراج۔ محولہ بالا ایڈیشن صہ ۶۶ - اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کے حسب ذیل ارشادا

بھی اہم ہیں :۔ انکم ایھا الرھط ائمۃ یقتدی بکم الناس ۔ اور ۔ واللہ لو فعلتھا لکانت ...
ملاحظہ ہو مالک، کتاب محولہ بالا، جلد اوّل صفحات ۵۰ اور ۲۲۶ ۔

۲۶ ۔ مالک، کتاب محولہ بالا، جلد دوم صہ ۵۱۲ ۔

۲۷ ۔ ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، محولہ بالا اڈیشن صہ ۳۰ ۔ ۳۱ ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث بیان کرنے پر پابندی لگادی تھی (ایضاً صہ ۳۲) اور اس حکم کی خلاف ورزی کے سلسلہ میں تین صحابہ کو گرفتار کر لیا (محمد حسین ہیکل، الفاروق عمرؓ، قاہرہ، ۱۳۶۰ھ، جلد دوم صہ ۲۸۸ ۔

۲۸ ۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا اڈیشن، صہ ۱۰۶ ۔

۲۹ ۔ محمد بن الحسن، کتاب الحج (قلمی نسخہ) صہ ۳۰ ۔ بلغنا عن عمر بن الخطاب انہ کتب الی امراء الآفاق ینھاھم عن الجمع بین الصلوتین فی واحد، و یخبرھم أن الجمع کبیرۃ من الکبائر ۔ نیز ملاحظہ ہو ابو یوسف، کتاب الآثار، قاہرہ، ۱۳۵۵ھ نمبر ۸۷۲ ۔ ان عمر بن الخطاب کان ینادی علی منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بیع امھات الاولاد حرام ۔ مزید ملاحظہ ہو امام شافعی اختلاف الحدیث، قاہرہ، ۱۳۲۵ھ صہ ۱ (برحاشیہ کتاب الأم جلد ۷) ۔

۳۰ ۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے مرتبہ میں ایک شاعر کہتا ہے :

واحییت فی الاسلام علما و سنۃ ولم تبتدع حکما من الحکم اسحما (اضجعا)
نفی کل یوم کنت تھدم بدعۃ وتبنی لنا من سنۃ ما تھدما

مزید ۔ الشاطبی، الاعتصام، قاہرہ، تاریخ طباعت درج نہیں، جلد اوّل صہ ۶۱ ۔ حسن البصری کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے کہا : ظھر الجفاء و قلت العلماء و عفت السنۃ و شاعت البدعۃ الجاحظ، البیان التبیین، قاہرہ، ۱۹۴۹ء، جلد سوم، صہ ۱۲۳ ۔ مزید ایس ایم یوسف "سنت ۔ الخ" اسلامک کلچر، جلد ۳۸، شمارہ ۱ جنوری ۱۹۶۴ء، صہ ۱۹، ذیلی حاشیہ ۔ امام اوزاعی کا قول "حتی ھاجت الفتنۃ" بھی اہم ہے ۔ ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، محولہ بالا، صہ ۲۰ ۔

۳۱ ۔ محمد بن الحسن، المؤطا، محولہ بالا، صہ ۳۹۱ ۔ ان عمر بن عبد العزیز کتب الی ابی بکر بن عمرو بن حزم ان انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او سنتہ او حدیث عمر او نحو ھذا، فاکتبہ لی، فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء ۔

۳۲ - علی حسن عبدالقادر، نظر عامة فی تاریخ الفقه الاسلامی، قاہرہ ۱۹۵۶ء صہ ۱۲۹ - گولڈ تسیہر، شیعہ اور سنی قوانین میں سترہ نکات اختلاف بیان کرتا ہے - ملاحظہ ہو اس کا مضمون (E DOGME ET LA - LOI DE L'ISLAM) پیرس ۱۹۲۰ء ص ۱۹۱ -

۳۳ - مالک، کتاب محولہ بالا، جلد اوّل صہ ۱۱۴ - نعمت البدعتہ ھذہ -

۳۴ - محمد بن الحسن، المؤطا، محولہ بالا صہ ۲۶۳ -

۳۵ - مالک، کتاب محولہ بالا، جلد دوم صفحات ۷۲۲ اور ۷۲۵ -

۳۶ - ابن المقفع ، رسالہ فی الصحابہ - در رسائل البلاغہ، قاہرہ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۲۶ - واذا قیل لہ: ای دم سفک علی ھذا السنتہ التی تزعمون ؟ قال، فعل ذلک عبد الملک بن مروان او امیر من لبعض اولئک الامراء -

۳۷ - ابو یوسف - الرد علی سیر الاوزاعی، محولہ بالا ایڈیشن، صہ ۱۱ - قال: واھل الحجاز لیقضون بالقضاء فیقال لھم: عمن ؟ فیقولون: بھذا جرت السنتہ، وعسی آن یکون قضی بہ عامل السوق او عامل ما من الجہات -

۳۸ - ایضاً، صہ ۲۳ ، نیز ملاحظہ ہو - ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن صہ ۳۲ ' الخلفاء الراشدون ' کی اصطلاح امام شافعی تک استعمال نہیں ہوتی تھی (متوفی ۲۰۴ ھ) - ملاحظہ ہو : - کولسن این جے ا - A HISTORY OF ISLAMIC LAW (تاریخ فقہ اسلامی) (انگریزی) ایڈنبرا ۱۹۶۴ء صہ ۲۶

۳۹ - ابو یوسف - الرد علی سیر الاوزاعی، محولہ بالا ایڈیشن صہ ۷۶ -

۴۰ - ایضاً، صفحات ۴۱ اور ۴۶ - جابجا - مالکؒ، کتاب محولہ بالا، جلد اوّل، صفحات ۲۶۸ اور ۲۸۰ - ابو یوسف، کتاب الخراج، محولہ بالا ایڈیشن، صفحات ۲۳، ۹۹ اور ۱۰۵ -